کتنا ستم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی جس بات کا خوف دلا رہے ہیں، ہم فخر سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔
—— مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں:

حضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ماہ ربیع الاول میں کوئی عمل مقرر نہیں فرمایا تھا"
(صفحہ ۱۹)

تو پھر سوال یہ ہے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو! اس کا جواب آچکا کہ عیسائیوں کی اتباع میں ——
اس پر کوئی کیا تبصرہ کرے۔ صرف دعا ہی کی جا سکتی ہے کہ:

اللھم اھدنا الصراط المستقیم ○ صراط الذین انعمت
علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ○

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی !!
کیں راہ کہ میروی بترکستان است

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اس وقت "غربتِ اسلام" کی جو حالت ہے، اسے لے کر میں کس دروازہ پہ جاؤں، کس سے فریاد کروں اور کس کے سامنے اپنا درد وغم رکھوں؟

حکمران ہیں تو وہ اسلام کے ساتھ کھلا مذاق کرنے پہ تلے ہوئے ہیں، انہیں شاید احساس ہی نہیں کہ ہمیں مرنا ہے۔ حکمرانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ ماضی کو بہت جلد بھلا دیتے ہیں —— اے کاش کم از کم اس ملک میں موجودہ مدعیانِ اسلام حکمرانوں کا ہی یہ رویہ نہ ہوتا اور ان کے سامنے ایوب خان جیسے مردِ آہن یحییٰ خان جیسے شراب وکباب کے رسیا اور بھٹو جیسے مضبوط کرسی کے مالک کا انجام ہوتا —— ؟ انہیں احساس ہوتا کہ زمین کیسے کیسے آسمانوں کو کھا جاتی ہے اور پھر مرنے کے بعد کیا انجام ہوتا ہے —— ؟

علماء کی اکثریت ہے تو وہ "سوادِ اعظم" کی مفروضہ اور خود ساختہ قیادت کے خول سے باہر نکلنے کو تیار نہیں۔ ان کے ضمیر وخمیر میں امام مجدد الف ثانی سے لے کر مولانا اسمٰعیل شہید تک ہر مصلح کی تکفیر کی گھٹی پڑی ہے۔ اب وہ ملک کی سیاسی قیادت کے صبح وشام خواب دیکھ رہے ہیں اور انہیں مطلق احساس نہیں کہ قوم ہماری بے حسی اور صحیح لفظوں میں بے حمیتی کے سبب جس طرح شرکیہ اعمال اور رسومات وبدعات کے نرغہ کا شکار ہو رہی ہے۔ اس کے نتیجہ میں اگلی نسل کے دور میں اسلام کی رسمی صورت بھی دیکھنے کو نہ ملے گی —— ایسا ہو گیا تو پھر اللہ تعالیٰ کا قہر کسی ایسی شکل میں نازل ہوگا

کہ بخارا و ترکستان اور مشرقی پنجاب کی طرح مدارس و مساجد اصطبل میں تبدیل ہو جائیں گی اور اور مذہبی قیادت کا خواب شرمندہ ہو کر رہ جائے گا ــــــ

قریب قریب ایسا ہی معاملہ سجادگانِ طریقت کا ہے کہ بڑے ایک دنیا بسا کر چلے گئے اب فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات والی کیفیت ہے ــــــ اسی طرح زمیندار، ملازمین، تاجر، صنعت کار، وکلاء، طلبہ، مزدور اور سبھی طبقات کا عالم ہے، دنیا کی دوڑ ہے اور بس اور ایسا دین ہر کسی کو مطلوب ہے جس میں کچھ چھوڑنا نہ پڑے سود، سٹہ، بددیانتی، رشوت و سفارش سب جائز ہو، جب منبر و محراب سے انہیں میلاد و عرس، گیارہویں اور ایسی رسوم کے ذریعہ بخشش و نجات کی نوید سنائی جائے تو سوچیں ان کا طرزِ عمل کیا ہو گا؟

اس لئے ایک رب کا دروازہ ہے اسی سے فریاد ہے اور دعا ہے کہ وہ احکم الحاکمین اور مقلب القلوب ہمارے دلوں کو کفر سے اسلام، شرک سے توحید اور بدعت سے سنّت کیطرف پھیر دے ۔ آمین !!

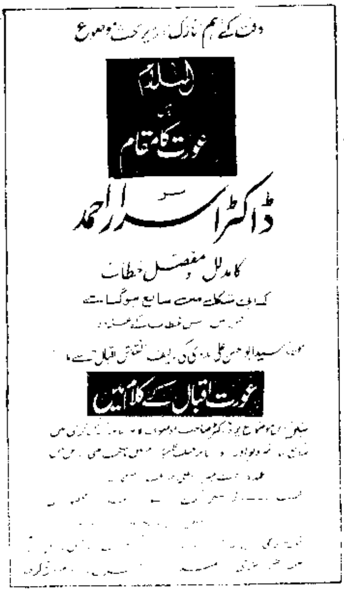

اُمّتِ مُسلمہ کے لیے لائحۂ عمل (قسط ۲)

(سُورۃ آلِ عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں)

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

میں نے عرض کیا کہ پہلا قدم یہ ہے۔ اس سیڑھی پر اپنے قدموں کو جمانا ضروری ہے۔ اس موضوع پر مزید وقت صرف کئے بغیر میں اس ضمن میں صرف ایک بات اور عرض کروں گا کہ اگر محض تقویٰ پر تقریر ہو تو ایک گھنٹہ بھی ناکافی ہے۔ یہ باتیں آپ اکثر مواعظ میں سنتے ہی رہتے ہیں۔ البتہ ایک بات کی جانب توجہ ضروری ہے کہ ہمارے یہاں بعض اوقات یہ تصوّر لنگا ہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے کہ خواہ تقویٰ ہو، خواہ اسلام ہو، خواہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری ہو۔ یہ تمام باتیں من حیث الکل مطلوب ہیں۔ یعنی پوری زندگی میں تقویٰ ہے تو حقیقی تقویٰ ہے۔ لیکن اگر معاملہ ہو جائے کہ زندگی کے ایک گوشے میں آپ اللہ کے احکام کی بڑی پابندی کر رہے ہیں، آپ نے بالکل متقیوں کی سی وضع قطع اختیار کر لی لیکن کاروبار میں آپ اسلام کے خلاف طریقے اختیار کر رہے ہیں۔ ناجائز اور حرام ذرائع اپنائے ہوئے ہیں تو جان لیجئے کہ یہ صورتِ حال تقویٰ کے منافی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اِتَّقُوا اللّٰہَ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ۔ "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو چھپے اور کھلے ہر حال میں"۔ ایک مرتبہ آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے تین بار اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: التقویٰ ھٰھُنَا۔ التقویٰ ھٰھُنَا۔ التقویٰ ھٰھُنَا۔ تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔ تقویٰ اگر دل میں ہوگا تو پورے وجود میں سرائت کر جائے گا۔ پھر وہ تقویٰ پوری شخصیت کو اس رنگ میں رنگ دے گا جسے قرآن مجید میں "صِبْغَۃَ اللّٰہِ" کہا گیا ہے:۔ صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے، صرف ایک جزو میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پابندی ہے اور دیگر معاملات میں آزادی اختیار کی گئی ہے تو یہ دراصل یہود کا ساطرزِ عمل ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے

کہ میری امّت میں بھی وہ ساری برائیاں پیدا ہوں گی جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوئیں ۔ آپؐ نے فرمایا کہ "اگر وہ یعنی بنی اسرائیل گوہ کے بل میں گھسے تھے تو تم بھی گھسوگے۔ یہاں تک الفاظ ہیں ۔ اگرچہ بیان کرتے ہوئے جھجک پیدا ہوتی ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں تو آپ کو سنانا ہوں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا بدبخت پیدا ہوا جس نے اپنی ماں سے زنا کیا ہو تو تم میں سے بھی کوئی بدبخت ایسا پیدا ہوگا۔"

مراد یہ ہے کہ وہ تمام دینی، اعتقادی، فکری، علمی اور عملی خرابیاں جو سابقہ امّت (یعنی بنی اسرائیل) میں پیدا ہوئیں، وہ اس امّت یعنی امّتِ مسلمہ میں بھی پیدا ہوں گی ۔ حدیث کا متن حسب ذیل ہے:

لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِيْ كَمَا أَتٰى عَلٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتٰى أُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ أُمَّتِيْ مَنْ يَّصْنَعُ ذٰلِكَ ۔ "میری امت پر بھی وہ تمام حالات وارد ہوں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے بالکل ایسے جیسے ایک جوتی دوسری جوتی سے مشابہ ہوتی ہے" نہایت مطابق واقعہ تشبیہ ہے۔ جوتی کے ایک جوڑے کو دیکھئے تو چونکہ پنجہ کا رخ مختلف ہے اس لئے آپ کو بظاہر ایک جوتی دوسری جوتی سے مختلف نظر آئے گی لیکن ان کے تلوؤں کو جوڑ دیجئے تو بالکل ایک ہوں گی ۔ اسی طرح بنی اسرائیل اور امّتِ مسلمہ کے احوال میں ظاہراً فرق تو موجود ہے ۔ بہرحال چودہ سو برسوں کا فاصلہ ہے۔ چنانچہ ظاہری اعتبار سے کچھ نہ کچھ فرق ہے لیکن بین السطور دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ سرِ مو کوئی فرق نہیں ۔ تو وہ کیفیت جو قرآن مجید میں یہود کے بارے میں فرمائی گئی، ہم میں سے ہر شخص کو اپنے گریبان میں خود جھانکنا چاہیے کہ کہیں ہم تو اس میں مبتلا نہیں ہیں ۔؟ اس آئینہ میں ہمیں اپنی صورت تو نظر نہیں آرہی! قرآن مجید میں یہود کو مخاطب کرکے فرمایا: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ "کیا تم کتاب اور شریعت کے ایک حصہ کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے؟" ــــ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ تو کان کھول کر سن لو کہ "تم میں سے جو کوئی بھی یہ طرز عمل اختیار کرے گا اس کی کوئی سزا اس کے سوا نہیں ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کو ذلیل و خوار کر دیا جائے"۔ اور وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط "قیامت کے دن ان کو شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے گا" ــــ یہ ہے اللہ کی وعید ان لوگوں کے لئے جو دین کے حصے بخرے کرلیں ۔ کہ زندگی کے ایک حصے میں تو میں دین پر چلوں گا اور جو دوسرے گوشے ہیں تو ان کے لئے عذرات کا پلندہ ہے کہ جی کیا کروں؟ یہ تو مجبوری ہے

یہ تو زمانہ کا چلن ہے۔ یہ تو برادری کا رواج ہے۔ شادی بیاہ کی رسومات کا مسئلہ تو عورتوں سے متعلق ہے اس میں ہمارا تو کوئی بس چلتا نہیں۔ کاروبار چل نہیں سکتا جب تک بینکوں سے سودی لین دین نہ ہو۔ کیا کریں! مہنگائی بہت ہے۔ گزارا مشکل ہے۔ بچوں کی اعلیٰ تعلیم کا مسئلہ ہے رشوت نہ لیں تو کام کیسے چلے گا؟ اب پردے کا رواج کہاں رہا ہے! ہم اپنی خواتین کو پردہ کرائیں گے تو دقیانوس اور رجعت پسند کہلائیں گے ــــ یہ بہانے بنا کر ہم نے زندگی کو تقسیم کر دیا ہے کہ ایک حصّہ میں تو شریعت کی پابندی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ حصّہ بہت محدود ہے اور جو دوسرا وسیع تر حصّہ ہے وہ شریعت سے آزاد ہے۔ تو قرآن مجید کی رو سے اس پر تبصرہ وہ ہے جو میں نے سورہ بقرہ کی آیت کے حوالہ سے ابھی آپ کو سنایا ہے۔

اب آیئے دوسری آیت پر۔ وہ لوگ جو پہلی آیت کے تقاضوں ــ تقویٰ اور اسلام ــ پر کسی نہ کسی درجہ میں عمل کر رہے ہوں ــــ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ کر چکے ہوں۔ اس لئے کہ انسان موت تک بھی یہ طے نہیں کر سکے گا کہ میں یہ تقاضے پورے کر چکا۔ کون شخص یہ دعویٰ کر سکے گا کہ میں نے اللہ کا اتنا تقویٰ اختیار کر لیا جتنا کہ اس کا حق ہے۔ کوئی انسان اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا جب صحابہ کرامؓ گھبرا گئے تو ہم میں سے کون ہوگا جو اس کی جرأت کر سکے۔ لہٰذا جو اس پر عمل کر رہے ہوں۔ اس کے لئے کوشاں ہوں، اس کے لئے مسلسل جدوجہد کر رہے ہوں۔

اب ان کو آپس میں جڑنا ہے جب تک وہ آپس میں مربوط نہیں ہوں گے۔ بنیان مرصوص نہیں بنیں گے، ایک اجتماعی قوّت و طاقت نہیں بنیں گے اس وقت تک وہ دنیا میں کوئی مؤثر اور نتیجہ خیز کام نہیں کر سکتے۔ آپ کو کوئی بھی چھوٹا بڑا کام کرنا ہو۔ خواہ وہ بھلائی کا ہو یا برائی کا ہو، اس کے لئے اجتماعیت ناگزیر ہے۔ اب بات سمجھانے کے لئے ایک مثال پیش کر رہا ہوں کہ جیب کاٹنے کا جو لوگ پیشہ اختیار کرتے ہیں ان کا بھی اپنا ایک gang نہ ہو، ایک گروہ نہ ہو، ان کا کوئی گروہ نہ ہو اور وہ شہر کے علاقے تقسیم نہ کرتا ہو۔ روزانہ سارے جیب کترے اپنی کمائی لے جا کر اس کے قدموں میں نہ ڈال دیتے ہوں۔ تو یہ پیشہ بھی "کامیابی" سے نہیں چل سکتا۔ ڈاکوؤں کا آپ کو معلوم ہے کہ بڑا مضبوط gang ہوتا ہے۔ ان میں بڑا سخت نظم ہوتا ہے۔ ورنہ وہ کیسے بڑے بڑے ڈاکے ڈال سکیں گے! پس معلوم ہوا کہ کوئی کام چاہے خیر کا ہو یا شر کا ہو۔ اس کے لئے اجتماعیت ناگزیر ہے اور اس کے ہر کارکن کا باہم مربوط ہونا لازم ہے۔ خیر کا سب سے عظیم کام وہ ہے جو جناب محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سرانجام دیا

میں اس کا آگے ذکر کروں گا۔ اس کام کے لئے ظاہر بات ہے کہ اجتماعیت کی ضرورت ہے۔ لیکن جس طرح کسی فصیل کے لئے پختہ اینٹ کی ضرورت ہے۔ آپ ناپختہ اینٹ کو لگا دیں تو دیوار کمزور رہے گی۔ لہٰذا پہلی چیز کیا ضروری ہے! یہ کہ ہر اینٹ پختہ ہو۔ اب اسلامی اجتماعیت میں اینٹ کی جگہ فرد کو متصوّر کیجئے۔ ہر اینٹ کی پختگی کا پروگرام تو پہلی آیت میں آچکا: یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔
اب ان اینٹوں کو باہم جوڑنا ہے۔ خود بخود سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کو جوڑنے والا مسالہ کونسا ہے! اس کا جواب ہے اس دوسری آیت میں: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا۔ "اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسّی کو سب مل جل کر سب کے سب" یا اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ہے کہ "پوری رسّی کو" یہاں جَمِیْعًا حال ہے۔ کس کے لئے حال ہے! جن کو حکم دیا جارہا ہے وہ سب کے سب مل جل کر اس رسّی کو مضبوطی سے پکڑیں۔ ایک یہ تاکید حبل اللہ کے لئے ہے۔ دوسری یہ کہ پوری رسّی کو تھامیں۔ اس کے کسی ایک جُز کو نہیں۔ اب یہ رسّی کونسی ہے! یہ ہے اصل سوال۔ یہاں قرآن مجید کے اصولوں میں سے ایک اصول کو جان لیجئے! اگر قرآن مجید میں کوئی ایسا لفظ یا حکم آگیا ہے جس کی وضاحت درکار ہے۔ ابھی بات پوری طرح سمجھ میں نہیں آئی تو پہلا اصول یہ ہے کہ قرآن مجید ہی کی طرف رجوع کرو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا ایک حصّہ دوسرے حصّہ کی تشریح کر دیتا ہے۔ مفسّرین کے یہاں یہ اصول تسلیم کیا جاتا ہے کہ اَلْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا۔ قرآن کا ایک حصّہ دوسرے حصّہ کی تفسیر کر دیتا ہے۔ لیکن فرض کیجئے کہ آپ کو قرآن مجید میں کہیں دوسری جگہ اس کی توضیح نہیں ملی۔ اب قرآن مجید کو سمجھنے کا دوسرا ذریعہ کیا ہے! وہ ہے سنّتِ رسول علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں یہ فرمایا ہے کہ اے نبی! یہ آپؐ کا فرضِ منصبی ہے کہ جو کتاب ہم آپ پر نازل کر رہے ہیں آپ اس کی وضاحت فرمائیں: وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْہِمْ "اے محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) یہ الذکر، یہ کتاب، یہ قرآن، یہ نصیحت آپؐ پر نازل کی گئی ہے تاکہ آپؐ اس کی تبیین کریں، اس کی وضاحت کریں ان لوگوں کے لئے جن کے لئے اسے ہم نے اتارا ہے"۔ لہٰذا ہمارا دوسرا طریقہ کیا ہوگا! یہ کہ سنّت و حدیثِ رسولؐ کی طرف رجوع کریں کہ یہاں جو 'حبل اللہ' فرمایا گیا ہے، اس سے مراد کیا ہے! مجھے ان حضرات سے اختلاف ہے جنہوں نے اس

کے معنی خود معین کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے کہ اگر حدیث میں نہ ہوتا اور وہ مرفوع احادیث نہ ہوتیں۔ مرفوع حدیث اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں صحابیؓ یہ فرمائیں کہ حضورؐ نے یہ فرمایا۔ تو قرآن مجید کے بارے میں جہاں ہمیں مرفوع حدیث مل جائے اور وہ ثقہ ہو، مضبوط ہو، مستند ہو، روایت کے اعتبار سے قابلِ اعتماد ہو تو پھر اس کے بعد بھی اپنا اقوال لگانے کی کوشش کرنا، اپنا فلسفہ بیان کرنا۔ میرے نزدیک یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہو جائے گی۔ جہاں کوئی چیز نہیں ملی وہاں آپ غور کیجئے، اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائیے لیکن جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مل جائے وہاں اپنی عقل، اپنی سوچ، محض لغوی معنوں پہ بحث میرے نزدیک غلط ہے۔ اب میں اختصار کے ساتھ آپ کو حضورؐ کی تین احادیث سنا دیتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے 'حبل اللہ' کا کیا مفہوم و مطلب معیّن فرمایا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن کی عظمت و فضیلت کے بارے میں ایک طویل حدیث مروی ہے۔ اس میں حضورؐ نے قرآن کے بارے میں فرمایا: هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ۔ یہ قرآن ہے اللہ کی "مضبوط رسی"۔

دوسری حدیث حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب ہی وہ رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے"۔

تیسری حدیث طبرانی کبیر میں حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور بڑی پیاری حدیث ہے۔ اس کے اندر جو تفصیل آئی ہے وہ ایسی ہے کہ جس کو سن کر تھوڑی دیر کے لئے انسان اپنے آپ کو اس ماحول میں موجود محسوس کرنے لگتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ سے برآمد ہوئے۔ آپؐ نے دیکھا کہ مسجد نبوی کے ایک گوشے میں چند صحابہؓ بیٹھے ہوئے ہیں اور قرآن پڑھ رہے ہیں، سمجھ رہے ہیں اور سمجھا رہے ہیں۔ گویا قرآن مجید کا مذاکرہ ہو رہا ہے۔ حضورؐ کے چہرہ مبارک پر بشاشت کے آثار نمایاں ہوئے۔ آپؐ ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے ایک عجیب سوال کیا۔ آج آپ حضرات بھی یہ سوال اپنے آپ سے کیجئے اور پھر سوچئے کہ جو جواب صحابہ کرامؓ نے دیا تھا کیا وہ جواب ہم بھی اپنے قلب کی گہرائی سے دے سکتے ہیں!
سوال کیا تھا! اَلَيْسَ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ

اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاَنَّ الْقُرْاٰنَ جَآءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ؟" کیا تم اس بات کے گواہ نہیں ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ وہ تنہا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ قرآن اللہ کے پاس سے آیا ہے ؟" صحابہ کرامؓ کا جواب تھا: بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ "یقیناً اے اللہ کے رسول" (صلی اللہ علیہ وسلم) ـــــ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم بھی قلب کی گہرائی سے یہی گواہی دے سکیں ۔ اپنی زبان کی نوک سے تو ہم سب اس کی گواہی دیتے ہیں کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ لیکن جب یہ گواہی ہمارے قلب کی گہرائی سے ابھرے تب ہے اصل گواہی جس کے لئے اقبال نے کہا ہے ع دے تو بھی **محمدؐ** کی صداقت کی گواہی ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ بہر حال جب صحابہؓ نے یہ جواب دیا: بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ۔ تب حضورؐ نے فرمایا : فَاَبْشِرُوْا فَاِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ طَرَفُہٗ بِیَدِ اللّٰہِ وَطَرَفُہٗ بِاَیْدِیْکُمْ فَتَمَسَّکُوْا بِہٖ فَاِنَّکُمْ لَنْ تَھْلِکُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اَبَدًا ۔ "تو اب خوشیاں مناؤ ۔ اس لئے کہ اس قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں ۔ پس اسے مضبوطی سے تھامے رکھو ۔ اگر تم نے اسے تھامے رکھا تو تم اس کے بعد نہ کبھی ہلاک ہو گے نہ کبھی گمراہ" ـــــ اب بتائیے کہ ان تین احادیث کے بعد بھی کچھ اور کہنے کی گنجائش ہے ؟ کہ حبل اللہ کا مفہوم قرآن مجید کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے ۔ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے بعد میرا یا کسی اور کا، کسے باشد، یہ حق باقی رہ سکتا ہے اور تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ حبل اللہ کا کوئی دوسرا مفہوم بیان کر سکے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر متعین فرمایا کہ "حبل اللہ" قرآن مجید ہے ۔ علامہ اقبال نے بڑے خوبصورت انداز میں فارسی میں کہا ہے کہ : اعتصامش کن کہ حبل اللہ است او "تھامو اس قرآن کو مضبوطی کے ساتھ اس لئے کہ حبل اللہ یہی ہے ۔"

پس ایک اور عملی نکتہ یہ ہوا کہ : وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ! اللہ کی اس رسی یعنی قرآن مجید سے مضبوطی کے ساتھ چمٹ جاؤ ـــــ عربی میں عصمت کہتے ہیں حفاظت کو ـــــ اور اعتصام کے معنی ہوں گے اپنی حفاظت کے لئے کسی سے چمٹ جانا ۔ کوئی چھوٹا سا بچہ ہے ۔ اگر کسی وقت اسے کسی طرف سے کوئی اندیشہ ہو، خطرہ ہو، کوئی خوف ہو تو آپ کو معلوم ہے کہ وہ بے اختیار اپنی ماں کی گود کی طرف لپکتا ہے اور اس کے سینہ سے چمٹ جاتا ہے ۔ اس کے ذہن کی جو چھوٹی سی دنیا ہے اور اس کا جو چھوٹا سا

پیمانہ ہے، اس کے مطابق ماں کے سینہ سے چمٹ کر وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں قلعہ میں آگیا ہوں۔ اب مجھے پوری حفاظت حاصل ہو گئی ہے ـــــ یہ بالکل دوسری بات ہے کہ کوئی شقی القلب انسان ماں کی گود سے بچّے کو چھینے، اس کو اچھالے اور نیزے کی انی میں پرو دے، جیسا کہ قیامِ پاکستان کے فسادات کے وقت اور ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے سقوط کے سانحہ کے موقع پر عملاً ہو چکا ہے ـــــ بہرحال اعتصام کا مفہوم ہے حفاظت کے لئے کسی سے چمٹ جانا۔ چنانچہ فرمایا: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ اس قرآن مجید کو، اللہ کی اس اس رسّی کو مل جُل کر مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔ اس کے ساتھ مل جُل کر چمٹ جاؤ یا پورے کے پورے قرآن کو تھامو، ادھورے کو نہیں۔ ادھورے کو تھامو گے تو وہی بات ہو جائے گی جو میں ابھی عرض کر چکا ہوں: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج "کیا تم کتابِ الٰہی کے ایک حصّہ کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے" ـــــ جَمِیْعًا کے لفظ میں یہ دونوں مفاہیم شامل ہیں کہ مِل جُل کر قرآن کو تھامو، اس سے چمٹ جاؤ اور یہ کہ پورے کے پورے قرآن کو تھامو، اس کے ایک حصّہ اور جزو کو نہیں ـ اسی کو مؤکد کیا گیا یہ فرما کر کہ وَلَا تَفَرَّقُوْا ـ اور اس معاملہ میں تفرقہ میں نہ پڑ جانا۔

اس کے بعد اس دور سے جس میں قرآن مجید نازل ہو رہا تھا، تاریخی طور پر ایک گواہی پیش کی گئی۔ ارشاد فرمایا: وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ـ "(اے مسلمانو) اور یاد کرو اللہ کا اپنے اوپر احسان اور نعمت" ـــــ خطاب کن لوگوں سے ہے اسے ذہن میں رکھئے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کے مخاطب ہیں مہاجرین اور انصار اور اس میں دوسرے لوگ بھی شامل ہیں ـــــ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً "جب تم آپس میں دشمن تھے"۔ فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ "پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی"۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج "پس اللہ کے انعام و اکرام سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے" ـــــ مدینہ کے دو قبیلوں اوس و خزرج میں بڑی پُرانی دشمنی تھی جس کے نتیجہ میں اسلام سے قبل ان میں بڑی خونیں جنگیں ہوتی رہی تھیں ـــــ علاوہ ازیں عرب میں دوسرے قبائل میں بھی بات بات پر جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ الغرض پورے عرب میں بدامنی تھی۔ وہ تو صرف قریش کو امن حاصل تھا وہ بھی خانہ کعبہ کی بدولت۔ چونکہ وہ اس کے متولی تھے۔ اسی بات کو سورۃ القریش میں بطور احسان بیان فرمایا گیا ہے۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ اِلٰفِهِمْ رِحْلَةَ	اس لیے کہ قریش کو مانوس کر دیا ان کو جاڑے
الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۚ فَلْیَعْبُدُوْا	اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے باعث
رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۙ الَّذِیْٓ	ان کو اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیئے
اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّ	جس نے ان کو بھوک میں کھلایا اور ان
اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝	کو خوف سے امن دیا۔

ورنہ پورے عرب میں خانہ جنگی تھی ۔لوٹ مار، غارت گری اور بدامنی کا بازار گرم تھا۔ اوس و خزرج کی جس دشمنی کا میں نے ذکر کیا ہے وہ ایک سو سال سے چلی آ رہی تھی اور یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کی عداوت اور خانہ جنگی کی وجہ سے ختم ہو رہے تھے ـــــ فرمایا کہ ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں تشریف لائے ۔ اس قرآن نے تمہیں آپس میں جوڑا ۔ تمہیں بنیانِ مرصوص بنا دیا ۔ ورنہ تمہاری کیفیت اور حالت تو یہ تھی : وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ ”اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے تک جا پہنچے تھے۔ اس میں گر کر تباہ ہو جانے والے تھے ۔فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ” تو اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا “ بلکہ اس کی ترجمانی یہ ہوگی کہ گویا آگ کے اس گڑھے سے نکال لیا ۔ آدھے گر چکے تھے ۔ دامن پکڑ کر تمہیں کھینچ لیا ۔ اس آیت کا اختتام ہوتا ہے ۔ ان الفاظِ مبارکہ پر كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ”اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پاسکو “

میں اس ضمن میں چاہوں گا کہ ہم ذرا اس وقت اپنے حالات پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالیں چونکہ یہ ایک تاریخی نقشہ ہے جو قرآن نے کھینچا ہے ایک تاریخی آئینہ ہے جو قرآن ہمارے سامنے پیش کرتا ہے ۔آئیے اس آئینہ میں ہم اپنی صورت بھی دیکھ لیں، ہمارا حال یہ ہے کہ پاکستان دو لخت ہوا۔ وہ تو چودہ برس پہلے کا سانحہ اور حادثہ ہے ۔ اگرچہ اس کے زخم ابھی تک رس رہے ہیں ۔ بہاریوں کا مسئلہ اس وقت سے تاحال معلق چلا آ رہا ہے ۔ یہ اسی کے زخم تو ہیں ۔ پاکستان کے لئے انہوں نے ایک مرتبہ ہجرت کی پھر سانحہ سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد وہ دوسری ہجرت پر مجبور ہوئے ۔ پاکستان کی خاطر ان کا کچھ حصہ یہاں منتقل ہوا ہے اور کثیر حصہ تاحال بنگلہ دیش میں کسمپرسی اور نہایت ہی خراب حالات میں پڑا ہوا ہے ـــ

بنگلہ دیشی ان کو اپنے ملک کا شہری تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ انہیں پاکستانی قرار دیتے ہیں اور پاکستان کی حکومت ان کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں۔ وہ اسے اپنے لئے ناقابلِ برداشت بوجھ سمجھتی ہے۔ پھر جو ہمارے بہاری مسلم بھائی اور پاکستانی بھائی یہاں منتقل ہو چکے ہیں وہ جس حال میں ہیں وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ وہ ہم سب کے علم میں ہے۔

پھر یہ بچا کھچا پاکستان ہمارے لئے بہرحال ایک دارالامن تو ہے لیکن اس پر مصائب کی جو گھٹائیں چھا رہی ہیں وہ کسی درد مند دل سے پوشیدہ نہیں ہوں گی۔ پانی کے معاملہ میں اللہ نے ہم پر تھوڑی سی تنگی کی ہے کوئی بہت بڑی تنگی بھی نہیں۔ آخر ہم پر بھی وہی کچھ ہو سکتا تھا جو شمالی افریقہ میں ہو رہا ہے جو ایتھوپیا (حبشہ) میں ہو رہا ہے۔ وہ کیا یہاں نہیں ہو سکتا؟ لیکن اللہ کا فضل ہے کہ یہاں ایسی کوئی صورتِ حال درپیش نہیں آئی۔ تھوڑی سی کمی آئی ہے لیکن اس صورتِ حال پر ہمارے ملک کے دو بڑے صوبوں کے وزراءِ اعلیٰ میں جو تلخ و تند بیان بازی ہوئی ہے وہ کس کو معلوم نہیں؟[1] خدانخواستہ اگر دو تین سال پانی کی اسی طرح کمی رہی تو اندازہ کیجئے کہ کیا ہو گا! کس طرح کا سر پھٹول ہو گا۔ کس طرح یہ صوبے آپس میں دست و گریباں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک جھلک دکھا دی۔ ـــــ اللہ تعالیٰ اس نوع کے تنازعات سے پاکستان کو محفوظ رکھے

پھر ملک کے بعض حصوں خاص طور پر آپ کے اس شہر کراچی میں جسے عروس البلاد کہا جاتا ہے پچھلے دو تین سالوں کے دوران متعدد بڑے خونیں شیعہ سنی فسادات ہو چکے ہیں۔ یہ مذہبی اعتبار سے تصادم تھا۔ لیکن ابھی پچھلے دنوں آپ کے شہر میں جو کچھ ہوا وہ مذہبی اختلاف کے باعث نہیں تھا وہ جو علاقائی قومیتوں کے نام سے چند سالوں سے ہمارے دوست نما دشمن کی جانب سے فتنہ اٹھایا گیا ہے، جسے مختلف گوشوں اور مختلف طریقوں سے ہوا دی جا رہی ہے وہ اس آتش فشاں کا لاوا ہے جو پھٹا ہے[2] یہ علاقائی قومیتوں کے پرچار کا شاخسانہ ہے۔ اس اعتبار سے غور کیجئے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں! پھر سندھ میں سندھی قومیت کو جس طرح ہوا دی جا رہی ہے اور حکومت کی سطح پر اسے نظر انداز کیا جا رہا ہے اور ملک کی سب سے بڑی مقتدر شخصیت اس شخص کے

---

[1] اشارہ ہے اس تنازعہ کی طرف جو جون میں پانی کی تقسیم کے ضمن میں پنجاب اور سندھ کی حکومتوں کے مابین ہوا تھا (مرتب)

[2] اشارہ ہے کراچی کے اس فساد کی طرف جو بہاریوں اور پٹھانوں کے مابین کافی شدید تھا (مرتب)

اہمیت کو تسلیم کر کے اس کی مزاج پرسی کے لئے اس کے آبائی گاؤں جاتی ہے[1] جو صرف سندھی قومیت کا سب سے بڑا پرچارک ہی نہیں بلکہ راجہ داہر کے دور اور اس کی تہذیب و ثقافت کو تمام سندھیوں کے لئے قابلِ تقلید قرار دے کر اس کو اختیار کرنے کی دعوت اور ترغیب دے رہا ہے۔ کیا ہم بھی اس طرح باہمی عداوت و نفرت کی آگ کے اس گڑھے کے کنارے تک نہیں آ چکے ہیں جس کی طرف اشارہ ہے قرآن مجید کے ان الفاظ مبارکہ کی طرف : إِذْ كُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ۔

ابھی میں داہنے اور بائیں اطراف کی بات نہیں کر رہا کہ سرحد کے اس پار کیا ہو رہا ہے اور اس پار کیا ہو رہا ہے! راجیو گاندھی کے دورۂ امریکہ کے بعد بین الاقوامی سیاست کیا کروٹ بدل رہی ہے! ایسا نظر آ رہا ہے کہ اس طرح کی سیاسی Isolation جو نکسن صدرِ امریکہ کے دور میں اکہتر کی جنگ کے موقع پر ہوگئی تھی پھر نہ ہو جائے۔ اس دور میں امریکہ نے فی الواقع ہمارے ساتھ غداری کی تھی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہی دور پھر آنے والا ہے۔ امریکہ کی دوستی پر کامل اعتماد میرے نزدیک سیاسی طور پر نابالغی کا ثبوت ہے۔ جو لوگ بھی بین الاقوامی حالات کے تیور پہچانتے ہیں انہیں نظر آ رہا ہے کہ امریکہ بڑی سے بڑی قیمت دینے کے لئے تیار ہوگا اگر انڈیا اس کی طرف ذرا سا بھی تیار ہو جائے۔ بلکہ اس کی طرف نہ جھکے لیکن صرف روس سے تھوڑا سا فاصلہ ہی کرلے تو انڈیا جو قیمت چاہے اسے دینے کے لئے امریکہ تیار ہے[2] اب آپ سوچ لیجئے کہ آپ کہاں کھڑے ہیں!

---

[1] اشارہ ہے جنابِ صدرِ مملکت کا جی ایم سید کی مزاج پرسی کے لئے ان کے گاؤں 'سن' تشریف لے جانے کی طرف۔ (مرتب)

[2] محترم ڈاکٹر صاحب نے یہ بات ۲۶ جون ۸۵ء کے دورانِ درس کے دوران ارشاد فرمائی تھی — اکتوبر ۸۵ء میں مسٹر راجیو گاندھی کے دورۂ امریکہ کے موقع پر انڈیا اور امریکہ میں جو مبیّنہ خفیہ ساز باز ہوئی ہے وہ مسٹر راجیو سے ہضم نہیں ہوسکی اور پبلک میں ان کی زبان سے یہ راز افشا ہوگیا۔ کہ صدر ریگن صاحب نے انڈیا کو پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر فضائی حملہ کی اجازت دے دی ہے۔ اب یہ اور بات ہے کہ امریکی حکومت کے ترجمان کی طرف سے ہیر پھیر کے ساتھ اس کی تردید کر دی ہے۔ صدر ریگن کی طرف سے اس کی برملا کوئی تردید نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے اس اندیشہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ انڈیا کی طرف سے کوئی اقدام اٹھایا جائے۔ (مرتب)